مولانا عبدالماجد دریابادی
کی
اُردو اور انگریزی کی تفسیری خدمات

جناب مظفر حسین غزالی

مولانا عبدالماجد دریابادی ضلع بارہ بنکی کے قصبہ دریاباد کے ایک علم دوست گھرانے میں ۱۶ شعبان ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۶ مارچ ۱۸۹۲ء میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے دادا مولوی مظہر کریم عالم دین اور مفتی شرع اور شاہجہانپور میں کلکٹری میں سررشتہ دار تھے۔ دورانِ غدر انگریزوں نے ان پر یہ الزام لگایا کہ باغی ان کے مکان پر جمع ہو کر بغاوت کا منصوبہ بناتے تھے اور یہ مذہبی فتوے دے کر انھیں اور اکساتے تھے۔ اس جرم میں کالے پانی کی سزا پائی۔ آپ کے والد مولوی عبدالقادر مرحوم عربی فارسی کے فارغ التحصیل تھے اور ڈپٹی کلکٹر تھے۔ انھوں نے اپنے بیٹے عبدالماجد کو عربی، فارسی کی ابتدائی تعلیم کے علاوہ انگریزی میں بھی تعلیم دلائی۔ عبدالماجد ۱۹۰۸ء میں سیتاپور سے ہائی اسکول کرنے کے بعد لکھنؤ کے کیننگ کالج میں داخل ہوئے۔ ان پر انگریزی تعلیم کا کچھ ایسا اثر ہوا کہ الحاد کی طرف مائل ہو گئے لیکن ۱۹۲۰ء میں بقول خود دوبارہ مشرف با اسلام ہو گئے۔

مولانا دریابادی نے ۱۹۰۴ء سے ہی مضمون نگاری شروع کر دی تھی۔ ابتدائی مضامین "اودھ اخبار" لکھنؤ میں شائع ہوتے تھے۔ یہ مضامین انھوں نے اپنے نام سے نہیں لکھے بلکہ فرضی ناموں سے لکھے۔ ۱۹۰۷ء و ۱۹۰۸ء میں علی گڑھ میگزین اور سہ روزہ "وکیل" امرتسر ان کے قلم کی رو میں شامل ہو گئے۔ علی گڑھ میگزین میں نیچریوں کی رد میں لکھتے رہے۔ اس کے بعد اس میگزین کا نام علی گڑھ منتھلی ہو گیا تھا۔ پھر علی گڑھ گزٹ کے نام سے شائع ہوتا رہا۔ ۱۹۰۹ء میں "وکیل" امرتسر میں دو طویل مضمون "محمود غزنوی" اور "غذائے انسانی" کے عنوان سے لکھے۔ ۱۹۱۰ء میں مولانا شبلی کی کتاب "الکلام" پر زبردست تنقیدی مضمون ماہ نامہ الناظر میں شائع ہوا۔ اس مضمون نے مولانا کو علمی دنیا سے بڑے پیمانے پر متعارف کرایا۔ اس مضمون

کے بڑے چرچے اس زمانے میں رہے۔ پھر "الناظر" سے تو جیسے ان کا مستقل تعلق ہو گیا۔ برسوں اسی طرح مضامین کچھ اپنے نام سے اور کچھ فرضی ناموں سے نکلتے رہے۔

کالج چھوڑنے کے بعد مستقل مضمون نگاری کا سلسلہ ہندوستان کے تمام مشہور جریدوں میں رہا۔ ان کے مضامین "معارف" میں ابتدا ہی سے شائع ہو رہے تھے۔ ۱۹۱۹ء میں اس سے باضابطہ ادارتی تعلق ہو گیا۔ جو ۱۹۲۳ء تک قائم رہا۔ "الناظر" سے بھی ۱۹۲۳ء میں منسلک رہے۔ گویا یہ ذمہ دارانہ حیثیت میں ان کی ادارتی تربیت تھی۔ لیکن ان کی باقاعدہ صحافیانہ زندگی کا آغاز "سچ" ۱۹۲۵ء سے ہوا۔ یہ دور "صدق" سے گذرتا ہوا "صدقِ جدید" کے توسط سے ان کی زندگی کے آخری ایام تک جاری رہا۔

مولانا دریابادی نے مغرب کی فکری یلغار سے مسلمانوں کو آگاہ کرنے، ان کے اندر احساس ذمہ داری اور تعلق باللہ پیدا کرنے کے لیے صرف ان جرائد پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ بہت سی کتابیں بھی تصنیف کیں۔ ان میں تفسیر ماجدی انگریزی، ترجمہ قرآن انگریزی بلا حواشی، تفسیر ماجدی (ضخیم اردو تفسیر)، جغرافیہ قرآنی یا ارض القرآن، حیوانات قرآن یا الحیوانات فی القرآن، تخصیات قرآنی یا اعلام القرآن، جدید قصص الانبیا، قصص و مسائل، مشکلات القرآن، شرح چہل حدیث، یتیم کی جیت، یتیم کا راج کافی اہمیت کی حامل ہیں۔

مولانا کا سب سے عظیم کارنامہ قرآن مجید کی خدمت ہے۔ انھوں نے قرآن پر خاص توجہ مرکوز کی۔ ان کا خیال تھا کہ یہی وہ بنیاد ہے جس کو مضبوط کر کے ملت کی شیرازہ بندی کی جاسکتی ہے نیز اسے اس کے مقصد اساسی کے لیے تیار کیا جاسکتا ہے اور نئی زندگی عطا کی جاسکتی ہے۔ اسی بنا پر انھوں نے اردو اور انگریزی میں الگ الگ صرف ترجمہ ہی نہیں کیا بلکہ مکمل تفسیر بھی لکھی ہے۔ قرآن کی تفسیر بذاتِ خود ایک دشوار کام ہے۔ یہ کام کوئی ایسا آدمی نہیں کر سکتا جس کا مطالعہ وسیع اور جسے عربی زبان پر قدرت حاصل نہ ہو۔ جو ترجمہ کے فن اور قرآن کے مزاج اور اس کی روح سے واقف نہ ہو۔ پھر اس میں روز افزوں ابھرنے والے جدید مسائل، نظریاتی کشمکش اور مستشرقین کے اٹھائے گئے سوالات کے جوابات فراہم کرنا انتہائی مشکل ہے۔ مولانا دریابادی نے اپنی تفسیر میں ان تمام چیزوں کو بڑے سلیقہ سے نبھایا ہے۔ ان دونوں تفسیروں میں فرق یہ ہے کہ اردو تفسیر ہندی و پاکستانی مسلمانوں کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے اور انگریزی تفسیر میں انگریزی داں طبقہ کو خصوصاً مغرب کو سامنے رکھا گیا ہے۔ اردو تفسیر چار جلدوں میں ندوۃ العلماٗ

کے مکتبہ سے شائع ہوئی ہے۔

انگریزی تفسیر کے بارے میں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ان سے پہلے کسی مسلمان نے انگریزی زبان میں اتنی مفصل تفسیر نہیں لکھی۔ قادیانی فرقے کے لاہوری شاخ کے مفسر محمد علی لاہوری نے ترجمہ کے ساتھ تشریحی نوٹ دیئے تھے جس کو مختصر تفسیر کہا جاسکتا ہے۔ اس میں حوالے ناقص اور بعض مقامات پر قرآن کی غلط تعبیر کی گئی ہے۔ اس میں قرآنی معجزات کا انکار بھی ہے۔ ملائکہ اور جن کو مجاز سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ ساری باتیں اہلِ سنت کے عقائد کے خلاف ہیں۔

قرآن مجید کے ترجمہ کی راہ میں مشکلات اور دشواریاں بہت ہیں۔ ان میں انتشار ضمائر کا مسئلہ خاصا نازک اور دشوار ہے۔ ایک ہی آیت بلکہ جزو آیت کے اندر ایک ہی ضمیر کا مرجع ابھی کچھ تھا اور ابھی کچھ اور ہوگیا۔ ایسے موقع پر اگر خود سیاق کلام کے بعد رہنمائی حدیث و آثار سے نہ مل جائے تو مترجم غریب کا تو کام تمام ہوجائے وہ لفظ جو اردو میں مستعمل ہیں۔ تو اُنو مترجم اس دھوکے میں پڑجاتا ہے کہ ان کے ترجمہ کی ضرورت ہی کیا یہ تو خود اردو بن گئے ہیں۔ یہ لفظ اردو میں آتو بے شک گئے ہیں لیکن اپنے مفہوم قرآنی سے الگ ہوکر۔ مثال کے طور پر قرآن مجید نے ایک لفظ وسیع و عمومی معنی میں استعمال کیا ہے لیکن بعد کو عربی میں اس کا محدود و متعین اصطلاحی مفہوم قائم ہوگیا اور اردو میں منتقل ہوکر وہی آخری مفہوم آیا۔ جیسے "قتل" قرآن نے اسے لغوی وسیع عمومی مفہوم میں لیا ہے یعنی جان لینے کے معنی میں بعد کو یہی لفظ ایک اصطلاح فقہی بن گیا اور اب اس کے معنی کسی دھاردار آلہ سے ہلاک کرنے تک محدود ہو گئے۔ اسی طرح بہت سے الفاظ ہیں جیسے "رب، جہاد، ظلم، توف، شراب، آیت، خیر، زکوٰۃ، فضل، دین، نسل، مکر، مجاہدین، شیطان، جنت وغیرہ۔

قرآن کے مخاطب اول براہ راست قوم عرب تھی۔ قرآن کی معنویت گو آفاق گیر ہے لیکن اپنی صورت و قالب کے لحاظ سے وہ بہرحال عربی کلام ہے۔ اس وقت و زمانہ کی ساری خصوصیات لیے ہوئے عربی لغوی نحوی، لسانی، ادبی، انشائی، اسلوبی مقتضیات کا پورا کرنے والا ہے۔ اس میں زبان کی سلاست و لطافت اور بیان کی فصاحت و بلاغت جو کچھ بھی ملے گی سب عربی ہی کے معیار کے مطابق نہ کہ کسی دوسری زبان کے معیار کے ماتحت، اس صریح و واضح معیار کو چھوڑ کر اسے کسی بھی غیر عرب پیمانے سے ناپنے کا مطالبہ کرنا خود اپنے جہل اور نامعقولیت کا مظاہرہ کرنا ہے۔

یہ کتاب کوئی علمی یا ادبی تحقیقی مقالہ نہیں اصلاً وہ محض کتاب ہدایت ہے۔ یا انسانی زندگی کا انفرادی و اجتماعی دستورالعمل۔ اس کی دنیا سر تا سر حکمت و اخلاق روحانیت عبدیت و انابت کی دنیا ہے۔ طہارت جسم کی طرح طہارت قلب کا ذرا سا بھی اہتمام کیے بغیر محض زبان کی واقفیت کے بل پر قرآن فہمی کی سعی یکسر لاحاصل ہے۔

قرآن دنیا کی واحد کتاب ہے جو ایک ہی وقت مطلق بھی ہے مقید بھی یعنی ایک طرف ازلی و ابدی ہدایت نامہ۔ ہر ملک ہر قوم ہر زمانہ کے لیے اور دوسری طرف زمان و مکان کی قید سے محدود و مقید بھی[۱]۔

قرآن ایک اور لحاظ سے بھی معجزہ ہے۔ اس کتاب کے مختلف ٹکڑے موقع و ضرورت پیش آجانے پر برجستہ اور فی الفور تیار ہوئے ہیں۔ یہ کتاب مغلوبیت کے حال میں تیار ہوئی۔ اقتدار و قوت کے عہد میں بھی، حالت امن و آشتی میں بھی اور شدت جنگ و حرب کے حال میں بھی ہدایات اس میں اخلاق و موعظت کے بھی ہیں اور معاشیات و مالیات کے بھی۔ احکام اس میں عبادات کے بھی ہیں اور معاملات کے بھی اور اس تنوع و اختلاف موضوع کے باوجود اس میں نہ کوئی تضاد اور نہ کوئی نشیب و فراز، ہر جزئی واقعہ کے لیے کوئی نہ کوئی ہدایت جیسے زمان و مکان کا کوئی بھی اثر اس کلام پر نہیں[۲]۔

بعض مفسرین نے شان نزول کو بہت اہمیت دی ہے اور اس عنوان کے تحت رطب و یابس ساری ہی روایتوں کو یکجا کر دیا ہے۔ یہ تلاش بے شک قابل قدر ہے لیکن قرآن کے الفاظ میں بڑی وسعت ہوتی ہے اس کا مفہوم و منشا شانِ نزول کے حصار میں محدود نہیں ہوتا اس وجہ سے انھوں نے اپنی تفسیر میں شان نزول کو بہت زیادہ اہمیت نہیں دی ہے۔ بس سورۃ کے شروع میں اس کے مکی یا مدنی ہونے کا حوالہ دینے پر اکتفا کرتے ہیں۔

اسلامی اصطلاحوں کے بارے میں مولانا کا خیال ہے کہ وہ بہت بعد میں رائج ہوئی ہیں وہ کہتے ہیں کہ "قدیم لفظی و لغوی اشتراک سے دھوکا نہ کھانا چاہیئے۔ دور قبل اسلام میں وہی لفظ اگر کسی کی زبان سے ادا ہوا تو اس کا ترجمہ اسلامی اصطلاح میں کر دینا کہیں تو غیر ضروری ہوگا اور کہیں صریح غلط مثلاً ایک لفظ "صلوٰۃ" ہے جس کا اردو ترجمہ اسلامی اصطلاح میں نماز ہے لیکن حضرت شعیب کی قوم جب اس لفظ کا استعمال کرتی ہے تو ضروری نہیں اس کا ترجمہ نماز کیا جائے بلکہ "پوجا" یا "پوجا پاٹ" بھی کافی ہوسکتا ہے۔ اسی طرح حضرت یوسفؑ کو ایک

خادم کی حیثیت سے دیکھ کر ایک جاہلی ملک کی میرزادیاں انھیں پکار اٹھیں "اِنْ هٰذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ" (یہاں) ملک کا ترجمہ فرشتہ کرنا صحیح نہ ہوگا۔ فرشتے کا تخیل مشرک قوموں میں سرے سے تھا ہی نہیں۔ یہاں ترجمہ "دیوتا" یا "دھرماتما" سے کرنا مناسب ہوگا۔[۱۱]

عبدالماجد صاحب نے بامحاورہ، رواں اور سلیس ترجمہ کیا ہے۔ اصطلاحوں کا استعمال اور لفظوں کا انتخاب بھی بہت خوبی کے ساتھ کیا ہے۔ انھوں نے ترجمہ آیت کے الفاظ میں بند ہو کر کیا ہے۔ ویسے ان کے ترجمہ کا اسلوب کسی حد تک مولانا مودودی سے ملتا ہے اور الفاظ میں کہیں کہیں حضرت تھانویؒ سے۔ کچھ آیات کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

"اور ہم نے کہا اے آدم تم اور تمہاری بیوی بہشت میں رہو سہو اور اس میں جہاں سے چاہو خوب کھاؤ اور اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ تم گنہگاروں میں سے ہو جاؤ گے پھر شیطان نے دونوں کو پھسلایا۔ اسی درخت کے باعث وہ جس میں تھے اس سے انھیں نکلوا دیا۔ اور ہم نے کہا (اب) تم سب نیچے اتر جاؤ ایک دوسرے کے دشمن ہو کر اور تمہارے لیے زمین ہی پر ٹھکانا اور ایک میعاد تک نفع اٹھانا ہے۔ پھر آدم نے اپنے پروردگار سے کچھ الفاظ سیکھ لیے پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی وہ تو ہے ہی بڑا توبہ قبول کرنے والا بڑا مہربان (اور) ہم نے حکم دیا کہ تم سب اس سے نیچے اتر جاؤ پھر اگر تمہیں میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے تو جو کوئی پیروی میری ہدایت کی کرے گا۔ سو ان کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہی ہوں گے اور جو لوگ کفر کریں گے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے سو وہی دوزخی ہیں۔ اور وہ اس میں (ہمیشہ) پڑے رہیں گے۔[۱۲]

مولانا مودودیؒ کا ترجمہ دیکھئے:

"پھر ہم نے آدم سے کہا کہ تم اور تمہاری بیوی دونوں جنت میں رہو اور یہاں بفراغت جو چاہو کھاؤ مگر اس درخت کا رخ نہ کرنا۔ ورنہ ظالموں میں شمار ہوگے" آخر کار شیطان نے ان دونوں کو اس درخت کی ترغیب دے کر ہمارے حکم کی پیروی سے ہٹا دیا اور انھیں اس حالت سے

نکلوا کر چھوڑا جس میں وہ تھے۔ ہم نے حکم دیا "اب تم سب یہاں سے اُتر جاؤ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہیں ایک خاص وقت تک زمین میں ٹھیرنا اور وہیں گزر بسر کرنا ہے"۔ اُس وقت آدم نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ کر توبہ کی جس کو اُس کے رب نے قبول کرلیا، کیوں کہ وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ ہم نے کہا "تم سب یہاں سے پھر جو میری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے پاس پہنچے تو جو لوگ میری اُس ہدایت کی پیروی کریں گے، اُن کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہ ہوگا، اور جو اس کو قبول کرنے سے انکار کریں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے وہ آگ میں جانے والے لوگ ہیں۔ جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے"[۵]

انھیں آیات کا مولانا تھانویؒ کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے:

"اور ہم نے حکم دیا کہ اے آدم رہا کرو تم اور تمہاری بیوی بہشت میں پھر کھاؤ دونوں اس میں سے با فراغت جس جگہ سے چاہو اور نزدیک نہ جائیو اس درخت کے ورنہ تم بھی انہی میں شمار ہو جاؤ گے جو اپنا نقصان کر بیٹھتے ہیں پھر لغزش دے دی آدم وحوا کو شیطان نے اس درخت کی وجہ سے سو برطرف کرکے رہا ان کو اس عیش سے جس میں وہ تھے اور ہم نے کہا نیچے اترو تم میں سے بعضے بعضوں کے دشمن رہیں گے اور تم کو زمین پر چندے ٹھہرنا ہے اور کام چلانا ایک میعاد معین تک بعد ازاں حاصل کرلیے آدم نے اپنے رب سے چند الفاظ تو اللہ تعالیٰ نے رحمت کے ساتھ توجہ فرمائی ان پر (یعنی توبہ قبول کرلی) بے شک وہی ہیں بڑے توبہ کرنے والے بڑے مہربان ہم نے حکم فرمایا نیچے جاؤ اس بہشت سے سب کے سب پھر اگر آوے تمہارے پاس میری طرف سے کسی قسم کی ہدایت سو جو شخص پیروی کرے گا میری اس ہدایت کی تو نہ کچھ اندیشہ ہوگا اس پر اور نہ ایسے لوگ غمگین ہوں گے اور جو لوگ کفر کریں گے اور تکذیب کریں گے ہمارے احکام کی یہ لوگ ہوں گے دوزخ والے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے"[۶]

تمام تحریروں میں جاذبیت اور دل نشینی ہے جن کو پڑھنے میں دل لگتا ہے۔[۸]

قرآن کے متعلم کو چاہیے کہ وہ اس بات کا خیال رکھے کہ حجاز میں جو تفسیریں لکھی گئی ہیں وہ قدرۃً ان تفسیروں سے الگ ہیں جو عراق وایران میں لکھی گئیں اور اسپین والے مفسرین کا رنگ صریحاً شامی اور عجمی وہندی تفسیروں سے الگ ہے۔ اسی طرح جیسے جیسے دنیا میں نئے نئے مسائل پیدا ہوئے۔ بحثوں کا رخ بھی اسی لحاظ سے پلٹ گیا۔ یونان کا فلسفہ، منطق، فلکیات، طبعیات، سائنسی علوم، طبعی علوم، سیاسی ومعاشیاتی سوالات وغیرہ شامل ہو گئے۔ مولانا کی تفسیر اس پہلو سے بھی اپنا ایک امتیاز رکھتی ہے۔

مولانا عبد الماجد صاحب نے اپنی اردو تفسیر میں جگہ جگہ مندرجہ بالا مضامین کے بارے میں اپنی انگریزی تفسیر کا حوالہ دیا ہے۔ انگریزی تفسیر جدید بحثوں کے سلسلے میں منفرد ہے۔ انھوں نے قرآن کے معنی متعین کرنے میں براہ راست عربی ماخذ سے استفادہ کیا ہے۔ وہ لسان العرب، مفردات راغب اصفہانی اور ابن قتیبہ کی غریب القرآن اور صحیح بخاری کی کتاب التفسیر اور حضرت عبد اللہ بن عباس سے مستفاد معانی کو ترجیح دیتے ہیں۔ انھوں نے LANE کی ARABIC-ENGLISH LEXICAN سے بھی فائدہ اٹھایا ہے اور شاہ عبد القادر دہلویؒ کے اردو ترجمہ کو بھی سامنے رکھا ہے۔ اس کے علاوہ عام انگریزی مترجمین سے ہٹ کر صرفی ونحوی تحقیق کے لیے صرف C.W.THATCHER کی گرامر کو ہی سامنے نہیں رکھا بلکہ بیضاوی اور کشاف کی تحقیقات بھی پیش کی ہیں۔ مولانا دریابادی نے کہیں کہیں عکبری کی احلاء ما من بہ الرحمن سے فائدہ اٹھایا۔ ایک دو جگہ الفیہ شرح ابن عقیل کا حوالہ بھی ملتا ہے۔

آیات کی تشریح میں ان کے نزدیک قدیم مراجع میں زیادہ پسندیدہ تفسیر قرطبی ہے۔ یوں تو روح المعانی، مدارک التنزیل، ابن کثیر سے بھی استفادہ کیا ہے۔[۹] مولانا تھانوی کی بیان القرآن کے بکثرت حوالے اردو کی طرح انگریزی میں بھی موجود ہیں۔ اس بنا پر بعض لوگوں نے کہا ہے کہ مولانا کی اردو تفسیر بیان القرآن کی وضاحت اور تشریح ہے۔ یہ بات شاید پوری طرح صحیح نہیں ہے مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ مولانا بیان القرآن سے بہت متاثر ہیں۔

مولانا اپنی تفسیر میں کہیں بھی مغرب سے متاثر نظر نہیں آتے۔ انھوں نے جنت،

مولانا نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا ترجمہ ہر جگہ ان الفاظ میں کیا ہے "شروع اللہ نہایت مہربان بار بار رحمت کرنے والے کے نام سے"۔ ترجمہ کے کچھ اور نمونے ملاحظہ ہوں:

"لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ" نیکی نہیں ہے کہ تم اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف پھیرا کرو (البقرہ آیت: ۱۷۷)

سورہ نساء کی پہلی آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

"یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ
خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ
تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا ۝"

اے لوگو اپنے پروردگار سے تقویٰ اختیار کرو جس نے تم (سب) کو ایک ہی جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا۔ اور ان دونوں سے بکثرت مرد اور عورت پھیلا دیئے اور اللہ سے تقویٰ اختیار کرو جس کے واسطہ سے ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور قرابتوں کے باب میں بھی (تقویٰ اختیار کرو) بے شک اللہ تمہارے اوپر نگراں ہے[۶]

آیت میں منہا، الارحام (رحم کی جمع) کے تحت بیان ہونے والی حدیثیں اور مفسرین کے اقوال درج کر دیئے گئے ہیں نیز ان کا استعمال کہاں کہاں کن مفاہیم میں ہوتا ہے وہ بھی بتا دیا گیا ہے۔ مولانا دریا بادی نے پورے قرآن کی تفسیر ہی اس طرح کی ہے کہ جہاں حوالوں کی ضرورت محسوس ہوئی وہاں حوالہ دے دیا ہے۔ اس سے بہت سے علمی مباحث ان کی تفسیر میں شامل ہو گئے ہیں۔

مولانا عبد الماجدؒ نے صلوٰۃ کے معنی دعا کے لیے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ نماز یکسر دعا ہے زبان سے بھی دل سے بھی اعضا ظاہری سے بھی یعنی دعاء قولی، دعاء قلبی، دعا فعلی کا مجموعہ اقامتہ صلوٰۃ ہے۔

بقول ضیاء الحسن فاروقی "انھوں نے (مولانا دریا بادی نے) اپنی تفسیر میں اسلاف کے قدیم طریقے کو بھی باقی رکھا ہے اور جدید نقطہ نظر کو بھی اپنایا ہے۔ اسی وجہ سے وہ دونوں طبقوں میں زیادہ مقبول ہوئی۔ مولانا کا یہ وہ کام ہے جس کو ان کا توشۂ آخرت کہہ سکتے ہیں۔ چونکہ مولانا ادیب بھی تھے اور ادب میں ان کا اپنا ایک خاص اسلوب تھا۔ اُن کی زبان میں خشک مزاجی نہیں تھی بلکہ تصوف کا سوز و گداز تھا جو ان کی تفسیر سے بھی ظاہر ہے۔ ان کی

دوزخ، حور و غلمان، دودھ اور شہد کی نہروں کا ذکر بہت وضاحت سے کیا ہے بلکہ ساتھ ساتھ توراۃ و انجیل کا تقابلی مطالعہ التزام کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس سے مستشرقین کے اس اعتراض کا کہ "قرآن میں توراۃ کے مضامین کے سوا ہے ہی کیا۔ یہ وہ مضامین ہیں جو محمدؐ نے مکہ کے مقیم نصرانیوں سے سن رکھے تھے اور جس کا چرچا مشرکین قریش میں ہوا کرتا تھا" بھرپور جواب مل جاتا ہے۔

مولانا دریابادیؒ نے فقہی اختلافات سے صرف نظر کیا ہے اور حنفی مسلک کے مطابق جہاں ضرورت سمجھی تشریح کر دی ہے۔ اس سے فقہ حنفی کی طرف ان کا رجحان ظاہر ہوتا ہے۔ وہ دوسرے مذاہب فقہ پر تنقید بھی کم کرتے ہیں۔

مستشرقین نے قصص القرآن کے بارے میں کہا ہے کہ یہ قصے اصل حقائق سے مختلف ہیں اور ان کی حیثیت تاریخی نہیں ہے (نعوذ باللہ) بازاری کہانیوں کی ہے۔ مولانا نے تاریخی حیثیت سے ان کی صحت ثابت کی ہے اور جیوش انسائیکلوپیڈیا اور اناجیل کی روایات پر تنقید کر کے دوسری تحقیقات کو ثبوت میں پیش کرتے ہوئے قصص قرآن کی صداقت ثابت کی ہے۔ اس سلسلہ میں انھوں نے مغربی مصنفین کے HASTING کی SEHIGMAN, SRNCYCLOPAEDIA OF RELIGIONAND ETHIES کی HISTORIAN کے علاوہ ERNCYCLOPAEDIA OFSOEICAL SCIENCES سلسلہ کی UNIVERSAL HISTORY OF THE اور HISTORY OF THE WORLD WORLD HUMMERTON کے بکثرت حوالے دیئے ہیں۔ اس کے علاوہ مغرب کے PERI-ODICALS علمی مجلات میں شائع ہونے والی تاریخی و جغرافیائی تحقیقات کو بھی سامنے رکھا ہے۔ اس طرح تفسیر ماجدی میں تاریخی اور جغرافیائی معلومات جو عام طور پر تفسیر سے علیحدہ تحقیقات پر مشتمل ہیں اور جن کے لیے ارض القرآن اور قرآنی جغرافیہ جیسی کتابیں لکھی گئی ہیں یکجا مل جاتی ہیں۔ مزید یہ کہ تمام قدیم و جدید حوالے، عبارتوں کے اقتباسات سامنے آجاتے ہیں۔

عبدالماجد صاحب کا انگریزی ترجمہ پابند ترجمہ ہے جب کہ عبداللہ یوسف علی، محمد علی لاہوری اور محمد مارڈیوک پکتھال کا آزاد ترجمہ ہے۔ عبداللہ یوسف علی کے ترجمہ کا اقتباس ملاحظہ کیجئے:

الٓمّٓ ۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ
وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝

This is the book in it is Guidance Sure with out Doubt to those who feer Allah who believe in the unseen Are steadfast in prayer , And spe ud out of what we have provided for them .

یہ وہ کتاب ہے ۔ اس میں ہدایت ہے یقینی بغیر کسی شک کے ۔ان لوگوں کے لیے جو اللہ سے ڈرتے ہیں جو ان دیکھے پر ایمان رکھتے ہیں جو نماز میں چست ہیں ۔ اور خرچ کرتے ہیں ان میں سے جو ہم نے ان کو پہنچایا ہے ۔

اب اسی کا پکتھال کا ترجمہ دیکھئے :

This is the seripture where of the Reis no doubt A Guidance is to those who ward off (Evil) who believein the Unseen and estab ligh worship and speud of what we have besto wedupon them .

یہ ایک صحیفہ ہے جس میں کوئی شک نہیں ۔ ایک ہدایت ہے ان لوگوں کے لیے جو شر سے بے لاگ ہو گئے ۔ جو ان دیکھے پر ایمان رکھتے ہیں اور عبادت استوار کرتے ہیں اور ہم نے جو کچھ بخشا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں ۔

عبداللہ یوسف علی ذالك الكتاب لا ريب فيه کا ترجمہ فرماتے ہیں " یہ وہ کتاب ہے جس میں بلاشک اور یقین ہدایت ہے ' قرآن نے کتاب سے انتفاء شک (رفع شک) کیا ہے اور مترجم ہدایت سے شک کی نفی کر رہے ہیں ۔ تقدیم تاخیر نے معنی میں فرق پیدا کر دیا ہے ۔ اسی طرح پکتھال نے " متقین " کا ترجمہ " جو شر سے الگ ہو گئے " یا بے لاگ ہو گئے اس میں اسم کا ترجمہ فعل سے کیا دوسرے ایجابی لفظ کا ترجمہ سلبی لفظ سے کیا ہے ۔

اب مولانا دریابادی کا ترجمہ پڑھیے :

This book where of the Reis no doubt, is a Guidauce unto the God fcering who believe in the

unseen and Estoblish prager and aut of where of we have proveded then expeud.

یہ کتاب اس میں کچھ شک نہیں اس میں ہدایت ہے خدا سے ڈرنے والوں کے لیے جو غیب پر ایمان لاتے اور نماز کو استوار کرتے ہیں۔ اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

مولانا کے ترجمہ میں ہر لفظ کا ٹھیک ٹھیک ترجمہ بغیر کسی تقدیم و تاخیر کے موجود ہے اور جملے اپنی جگہ پر منضبط ہیں باوجود عربی زبان کے الفاظ کی پوری طرح سے پابندی ہے۔

جب مولانا کا انگریزی ترجمہ مع تفسیر شائع ہوا تو اس پر مدراس کے انگریزی روزنامہ "ہندو" نے یہ تبصرہ کیا کہ "ایسا بامحاورہ اور عالمانہ ترجمہ وہی کرسکتا ہے جسے عربی زبان پر ایسا ہی عبور حاصل ہو جیسا انگریزی لب و لہجہ پر" [۱۰]

عبد الماجد صاحب کو عربی خدمات کے لیے صدر جمہوریہ ہند کی طرف سے سند اعزاز ۱۵ اگست ۱۹۶۶ء کو پیش کی گئی [۱۱] علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے جلسہ تقسیم اسناد (۱۳ مارچ ۷۶ء) میں مولانا دریابادی کو ڈاکٹر آف لٹریچر کی اعزازی ڈگری پیش کی گئی اس موقع پر وائس چانسلر نے ان سے متعلق فرمایا "مولانا کو علاوہ عربی، فارسی، اردو اور انگریزی کے فرینچ اور جرمن زبانوں پر عبور حاصل ہے اور تاریخ عالم، مذہبیات اور فلسفہ کے مسلمہ ماہر ہیں [۱۲]

تفسیر ماجدی پر اہل علم کی طرف سے بعض اعتراضات بھی ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ اپنے مضمون "ڈوب مرے فرعون کا نام" میں مولانا کی تفسیر کے بارے میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تفسیر ماجدی میں فعلیھن نصف ما علی المحصنات من العذاب (زناکار لونڈی کو آزاد عورت کی سزا کا نصف دیا جائے) اور فوراً بعد سورہ نور کی آیت الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلدۃ (زانیہ اور زانی میں سے ہر ایک کو سو سو درے لگاؤ) سے استدلال کرکے لونڈی کو پچاس درے کا حکم دیا ہے۔ میں نے (محمد حمید اللہ) عرض کیا کہ سارے مفسر متفق ہیں کہ سورۂ نور کا نزول متاخر ہے۔ اس لیے ایک نامعلوم اور غیر نازل شدہ حکم سے استدلال غور طلب ہے۔ اسی طرح والاتی تخافون نشوزھن (جن بیویوں کے نشوز یعنی نافرمانی کا تمہیں خوف ہو تو

ان کو اولاً نصیحت، پھر بستر سے جدائی اور آخر میں مار کی سزا دو) کے بعد وان امرأۃ خافت من بعلها نشوزا (جس عورت کو اپنے شوہر کے نشوز یعنی سختی کا خوف ہو تو۔۔۔۔) ایک ہی لفظ نشوز کے کہیں کچھ اور کہیں کچھ معنی لینے کے لیے کوئی مجبور کن وجہ ہونی چاہیئے۔ نشوز کے لغت میں ایک معنی نافرمانی کے ضرور ہیں لیکن ایک تو خطبہ، حجۃ الوداع میں خود رسول اکرمؐ نے اس آیت کے لفظ "النشوز" کے معنی فحش اور بدکاری کے بتائے ہیں اور دوسرے صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں بھی" نافرمانی کو رد کر دیا گیا ہے" ۱۳؎

اس تفسیر کے مآخذ کے بارے میں ڈاکٹر عبدالرحمان صاحب مومن لکھتے ہیں "تفسیر ماجدی آج سے ۴۰۔۴۵ سال پہلے لکھی گئی تھی۔ اس وقت جن کتابوں سے استفادہ کیا تھا ان کی علمی حیثیت مجروح ہو چکی ہے۔ مثلاً بیشتر مقالات پر سر چارلس مارسٹن کی کتاب (The bible comes A Live) اور (The bible is True) سے تصدیقی حوالے دیئے ہیں۔ یہ کتابیں مورخین اور علماء کی نظر میں پایۂ اعتبار سے گر چکی ہیں۔

طوفانِ نوح سے متعلق مولانا دریابادی چارلس مارسٹن کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اثریاتی تحقیقات نے طوفان کی حقیقت کو ثابت کر دیا ہے ۱۴؎ دیگر مقامات پر استشہاد کے طور پر مولانا دریابادی نے مشہور عالم اثریات سر لیونارڈ وولی (Leoneard Weolley) کی آرا کو پیش کیا ہے۔ حالیہ برسوں میں عراق میں جو اثریاتی تحقیقات وانکشافات ہوئے ہیں۔ ان سے طوفان نوح پر روشنی ضرور پڑتی ہے لیکن بدقسمتی سے کوئی واضح اور حتمی شہادت نظر نہیں آتی۔ وولی نے اس صدی کے دوسرے تیسرے دہے میں جو کھدائی کی تھی اور طوفانِ نوح سے متعلق جو نتائج اخذ کیے تھے انھیں بیشتر علمائے آثار نے رد کر دیا ہے ۱۵؎

جس طرح لفظوں کی عمر گھسکتی اور سرکتی رہتی ہے کہ ابھی جو لفظ بہت تگڑا اور لوٹا نا تھا دیکھتے ہی دیکھتے بوڑھا اور کمزور ہو چلا بلکہ جگہ چھوڑنے پر مجبور ہو گیا قریب ہے کہ بالکل ٹکسال باہر ہو جائے اس طرح ہر دور میں بحثوں کے رخ بدلتے رہتے ہیں۔ اور مآخذ کا بھی دار و مدار اسی اعتبار سے مستند، قابلِ اعتماد، معیاری یا غیر معیاری ہو جاتا ہے۔ کسی شخص کے کام کا جائزہ لیتے وقت اس بات کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اس کا کام اپنے زمانے میں کس حد تک مفید تھا۔ ضروری نہیں وہ آج بھی اتنا ہی مفید ہو جتنا کل تھا۔ گر مفید چیز

تیار کرنے میں اس کا استفادہ نہ صرف ضروری ہوگا بلکہ وہ بنیادی مآخذ میں سے ایک ہوگا۔

مولانا دریابادی صاحب کا قرآنی کام اپنی نوعیت کا ایک منفرد کام ہے۔ انھوں نے جس انداز سے اس زمانہ کے معیاری مستند اور مخالف نظریات، اور مستشرقین کے مواد سے استفادہ کیا اور اس Original Source کی بنیاد پر ان کا آپس میں تقابل اور پھر اسلام کے مقابلہ میں ان کا کھوکھلا پن ثابت کیا ہے اور جس سلیقہ سے ان تمام چیزوں کو ساتھ لے کر چلے ہیں۔ یہ انھیں کا طرہ امتیاز ہے۔ ان کی خدمات آج بھی مشعلِ راہ ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس پر نظر ثانی بھی ضروری ہے۔

حواشی

۱؎ افتتاحیہ تفسیر ماجدی جلد ۳

۲؎ ایضاً

۳؎ تفسیر ماجدی جلد دوم کے افتتاحیہ سے یہ اقتباس لیا گیا ہے۔

۴؎ تفسیر ماجدی جلد اوّل (البقرہ آیت ۳۵ ـ ۳۹)

۵؎ تفہیم القرآن جلد اوّل (البقرہ آیت ۳۵ ـ ۳۹)

۶؎ بیان القرآن

۷؎ تفسیر ماجدی جلد دوم سورہ نساء آیت ۱

۸؎ مجلہ ذکر ماجد ۱۰ر جنوری ۱۹۸۱ء ص ۶۵

۹؎ ایضاً ص ۳۵

۱۰؎ یہ تبصرہ "ہندو" سے صدق جدید کے یکم جنوری ۸۲ء کے ضمیمہ میں نکل ہوا ہے۔

۱۱؎ قومی آواز لکھنؤ ۱۸ر اگست ۷۶ء کو مفصل خبر شائع ہوئی۔

۱۲؎ "صدق جدید" یکم جنوری ۸۲ء

۱۳؎ "فاران" کراچی مئی ۷۷ء ص ۲۳

۱۴؎ انگریزی تفسیر جلد دوم ص ۳۲۸

۱۵؎ "برہان" دہلی ستمبر ۸۵ء ص ۳۸-۳۹

"فرعون تاریخ و تحقیق کی روشنی میں" مضمون اقتباس لیا گیا ہے۔